اسلام میں مرد و خواتین میں فرق و امتیاز کا مسئلہ: اسلامی اصول و ضوابط کی حکمتوں کا مطالعہ

(Issue of Discrimination between Men and Women in Islam: A Study of the Wisdom behind Islamic Principles)

Hafiza bareera Hameed

Doctoral Candidate Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur/ Lecturer in Islamic Studies, Govt. Sadiq College Women University Bahawalpur

Dr. Abul Hassan Shabbir Ahmad

Assistant Professor of Islamic Studies, The Islamia University Bahawalpur

Abstract

Some people claim that Islam is unjust towards women in giving her half of what men receive. This article exploring the wisdom behind the differences in Islamic principles regarding men and women in inheritance, blood money, legal testimony and headship of the state, concludes that it is impossible to have absolute equality between men and women in what is specific for each of them. Differences in this regard are understandable because men and women are different physiologically and psychologically. What Islam has established for women is that which suits their nature, gives them full security and protects them against disgraceful circumstances.

Key Words: Islamic rules, men, women, differences, wisdom

تمہید

اسلام میں بعض اصول و ضوابط اور احکام کے حوالے سے خواتین اور مردوں کے درمیان باہم فرق روا رکھا گیا ہے، جیسے خواتین کی دیت، شہادت، وراثت، حکمران کے عہدے پر فائز ہونا۔[1] بعض فقہا نے اس میں عقیقہ اور خواتین کی آزادی کو بھی شامل کیا ہے۔[2] ان احکام میں خواتین کو مردوں کی نسبت نصف پر رکھا گیا ہے، جس میں قدرت کی طرف سے بہت سی حکمتیں مد نظر ہیں، قوانین فطرت کا اصول ہے کہ کسی بھی نفس پر اس کی وسعت وطاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ کائنات کے نظام کو چلانے کے لیے اس کے خالق نے مساوات کے اصول کو نہیں بلکہ عدل کے قواعد و ضوابط کو مد نظر رکھتے اس کے رہنے والے باشندوں کو حقوق و فرائض کے ایک منظّم و مربوط نظام کا پابند بنایا ہے، پھر ہر ایک کو اس کی جسمانی وذہنی ساخت اور ذمہ داریوں کو مد نظر رکھ کر کائناتی نظام کے مناصب سپرد کیے گئے ہیں۔ لیکن جن لوگوں کی نظر ان امتیازی احکام کے کی حکمتوں پر نہیں ہوتی، یا وہ اسلام میں ہر صورت کیڑے نکالنے کے درپے ہوتے ہیں، وہ ان پر معترض ہوتے اور اسلام کو ہدفِ تنقید بناتے ہیں کہ دیکھیں اسلام میں خواتین کو کیسے مردوں کے مقابلے میں کم تر حیثیت دی گئی ہے! اس مضمون میں مذکورہ بالا نوعیت کے احکام سے متعلق یہ جاننا پیش نظر ہے کہ ان امتیازی احکام میں کیا واقعی عورتوں کی حیثیت کم تر ہو گئی ہے؟ اور کیا واقعی دین اسلام نے اس ضمن میں ان پر کوئی ظلم و زیادتی روا رکھی ہے؟ اس سلسلے میں یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ ایسے مختلف احکام و ضوابط کو مختلف عنوانات کے تحت کتاب وسنت کی روشنی میں زیر بحث لا کر اس میں مردوں اور خواتیں میں نظر آنے والے امتیاز کی حقیقت واضح کی گئی ہے۔

گواہی

قرآن کریم میں تقریباً آٹھ جگھوں پر گواہی کا ذکر ہے۔[3] جن میں سے سات مقامات پر مرد وعورت میں کوئی تخصیص نہیں کی گئی صرف ایک جگہ مالی معاملات میں مرد وعورت کے درمیان فرق رکھا گیا ہے۔[4] فقہا کے ہاں بعض معاملات میں خواتین کی گواہی کا اعتبار نہیں کیا گیا، بعض جگہ دو خواتین کی گواہی کو ایک مرد کی گواہی کے برابر قرار دیا گیا ہے، اور بعض معاملات ایسے ہیں جن میں صرف خواتین کی گواہی کو معتبر قرار دیا گیا ہے۔ اس حوالے سے اہم نکات یہ ہیں:

---

[1] الدکتور مصطفیٰ السباعی، المراۃ بین الفقہ والقانون (بیروت: المکتب الاسلامی، بیروت، 1420ھ-1999ء)، 27۔

[2] محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ، الطرق الحکمیۃ (مکتبہ دار البیان، س۔ن)، 126۔

[3] دیکھیے: البقرہ2: 282؛ النساء4: 15،6؛ المائدہ5: 107،106؛ النور24: 9،6،4؛ الطلاق65: 2۔

[4] البقرہ2: 282۔

1) حدود میں خواتین کی گواہی کا اعتبار نہیں کیا گیا، بعض علماے کرام جن میں امام ابن قیم شامل ہیں۔[5] حدود و قصاص میں خواتین کی گواہی کے قائل ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جن نصوص میں خواتین کی گواہی کے بارے میں عدم جواز معلوم ہوتا ہے وہ صرف زنا کے بارے میں گواہی دینا ہے۔ لیکن ائمہ اربعہ کے ہاں حدود و قصاص میں خواتین کی گواہی کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ علامہ ابن قدامہ نے اس پر اجماع امت نقل کیا ہے۔[6] حدود و قصاص میں عورت کو گواہ نہ بنانے میں بھی درحقیقت عورت کی عزت وتوقیر کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ کیونکہ مرد و عورت کا دائرہ کار الگ ہے، اس لیے خواتین کے دائرہ کار کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کو عدالتی معاملات سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔

2) مالی معاملات میں دو خواتین کی گواہی کو ایک مرد کی گواہی کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالی **وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى**[7] سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح لین دین، بیع، وقف، اجارہ، ہبہ میں بھی اسی کا اعتبار کیا گیا ہے کہ دو خواتین اور ایک مرد کی گواہی ملا کر معتبر ہے، جیسا کہ بحر الرائق میں مذکور ہے کہ نکاح وطلاق، وصیت ووکالت اور نسب وغیرہ میں لین دین کے معاملات میں ہر جگہ مرد اور عورتوں کی ملا کر شہادت معتبر ہے، کیونکہ عورتیں شہادت دینے کی اہلیت رکھتی ہیں۔ کسی واقعہ کا مشاہدہ کرنا، اسے یاد رکھنا اور دہرا سکنا، یہ سب باتیں ان میں بھی ہوتی ہیں اور بھول چوک کا احتمال بھی جہاں دو عورتیں ہوں نہیں رہتا، عقل اور سمجھ کی کمی کوئی غیر معمولی نہیں ہوتی ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ ضرور انہیں مردوں سے کم درجے میں گناہ کا بھی مکلّف قرار دیتے، لیکن ایسا نہیں ہے وہ احکام الٰہیہ کی اسی طرح مکلّف ہوتی ہیں جیسے مرد ہوتا ہے، البتہ کچھ فرق ضرور ہوتا ہے، ان کی یہی کمی حدود میں ملحوظ رکھی جاتی ہے۔[8] مالی معاملات میں اور اس سے ملتے جلتے معاملات میں دو خواتین کی گواہی ایک مرد کے برابر ہونے کے شرعی ضابطے کی مشروعیت کی علت بیان کرتے ہوئے احمد مصطفیٰ المراغی لکھتے ہیں: '' **اذا قد جرت العادة ان المراة لا تشتغل بالمعاملات المالية ونحوهامن المعاوضات،فتكون زاكرتها ضعيفة فيها،بخلاف الامور المنزلية فان ذاكرتها فيها اقوىٰ من ذاكرة الرجل فقد جبل الانسان علىٰ ان يقوى تذكرة لما يهتم به ويعنى بشانه،واشتغال النساءفى هذا العصربلمسائل الماليةلا يغير هذاالحكم،لان الاحكام انها تكون**

---

[5] ابن القیم، الطرق الحکمیۃ، 130۔

[6] عبداللہ بن احمد ابن قدامہ، المغنی (مکتبہ القاھرہ، 1388ھ/1968ء)، 10: 130۔

[7] البقرہ2: 282۔

[8] زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم، البحر الرائق شرح کنزالد قائق (دارالکتاب الاسلامی، س۔ن)، 7: 62۔

للاعم الاکثر،وعدد مؤلاءقلیل فی کل امة وجیل"[9] عموماً عورت کا واسطہ اس قسم سے معاملات سے نہیں ہوتا اس لیے ایسے معاملات میں اس کی یاداشت مرد سے کم ہوتی ہے۔اس کے برعکس گھریلو معاملات میں عورت کی یاداشت مرد سے زیادہ ہوتی ہے۔اور اس زمانے میں بہت سی عورتوں کے مالی معاملات میں مشغول ہونے سے اس حکم کو بدلا نہیں جا سکتا احکام کی بنیاد اکثریت پر ہوتی ہے اور ایسی عورتوں کی تعداد بہر حال قلیل ہی ہوتی ہے۔

مالی معاملات میں مرد اور عورت کی گواہی میں نظر آنے والی عدم مساوات در حقیقت کسی صنفی عدم مساوات کی بنیاد پر نہیں ہے۔بلکہ یہ معاشرے میں عورتوں اور مردوں کی مختلف نوعیت و کردار کی بنا پر ہے جو کہ اسلام کی طرف سے متعین کردہ ہیں، جس کی وجہ سے ان کے احکام بھی ایک دوسرے سے بعض مقامات پر مختلف ہیں۔

3) مخصوص نسوانی معاملات جو عام طور پر مردوں سے پوشیدہ رہتے ہیں ان میں ایک خاتون کی گواہی کا بھی اعتبار کیا گیا ہے۔مثلاً عورتوں کے مخصوص مسائل جن میں ولادت، رضاعت، بکارت، عورت کی تدفین کے وقت، غسل کے معاملات شامل ہیں،ان میں مردوں کی گواہی قبول نہیں کی جا سکتی ، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے قول و فعل سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دائی کی شہادت کو ولادت کے سلسلے میں جائز قرار دیا۔[10] حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک خاتون غنیہ سے نکاح کیا ایک عورت نے ان سے کہا کہ میں نے تمھیں اور تمھاری منکوحہ کو دودھ پلایا ہے۔ عقبہ نے کہا مجھے اس بارے میں علم نہیں ہے پھر انھوں نے اپنی بیوی کے اقارب سے معلوم کروایا،انھوں نے بھی یہی کہا کہ ہمیں معلوم نہیں ہے۔آخر کار حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ میں تشریف لائے اور سارا احوال بیان کیا۔ دودھ پلانے والی عورت تن تنہا یہ واقعہ بیان کر رہی تھی، دوسرا کوئی اس کی گواہی نہیں دے رہا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے رضاعت کے بارے میں اس عورت کا کہا تسلیم فرمایا۔ غنیہ کو عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رضاعی بہن قرار دیا۔ عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غنیہ کو چھوڑ دیا اور دوسری جگہ نکاح کیا۔[11] اسی طرح ارشاد نبوی ﷺ میں بھی اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ جن معاملات میں مردوں کا عمل دخل نہیں ان میں خواتین کی گواہی مطلقاً جائز ہے: " **شهادة النساء جائزة فيما لا يستطيع الرجال النظر اليه۔**[12] "جن معاملات کی طرف مرد نگاہ نہیں کر سکتے عورتوں کی شہادت جائز ہے۔''

[9] احمد مصطفیٰ المراغی، تفسیر المراغی (مصر: مصطفیٰ البابی الحلبی، 1365ھ-1946ء)،3: 71۔

[10] احمد بن حسین البیہقی، السنن، کتاب الشھادات، باب ماجاء فی عدد ھن (لبنان: بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1424ھ/-200ء)، رقم الحدیث: 2054۔

[11] محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری، کتاب النکاح، باب شھادۃ المرضعۃ، رقم الحدیث، 5104۔

[12] جمال الدین عبداللہ بن یوسف الزیلعی، نصب الرایہ لاحادیث الھدایہ (لبنان: بیروت، مؤسسۃ الریان، 1418ھ/-1997ء)،4: 80۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ کے قول و فعل سے معلوم ہوتا ہے کہ نسوانی معاملات میں صرف عورتوں کی گواہی کا اعتبار کیا جائے گا۔ مختصر یہ کہ بعض معاملات (حدود و قصاص) میں خواتین کی گواہی کا اعتبار نہیں کیا گیا، بعض جگہ (مالی معاملات) دو خواتین کی گواہی کو ایک مرد کی گواہی کے برابر قرار دیا گیا ہے، اور بعض معاملات (خواتین کے مسائل) میں صرف خواتین کی گواہی کا اعتبار کیا گیا ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ جہاں معاملات کا دائرہ مردوں تک محدود ہے وہاں پر گواہی بھی ان کی معتبر ہے اور جہاں خواتین کا دائرہ کار ہے وہاں مردوں کی گواہی کا کوئی کام نہیں ہے تو وہاں خالصتا عورتوں کی گواہی کو معتبر مانا گیا۔ اس میں یہ کہنا کہ اس سے معاشرے میں خواتین کی حیثیت میں کمی کی گئی ہے بالکل ایسا ہی ہے کہ خالص نسوانی معاملات میں مردوں کی گواہی کا مطالبہ کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہاں فوری یہی جواب دیا جائے گا کہ یہ عورتوں کا شعبہ ہے، تو بالکل یہی جواب ان معاملات کا ہے جہان خواتین کی گواہی کا اعتبار نہیں کیا گیا کہ یہ مردوں کا شعبہ ہے۔

وراثت

اسلام سے قبل خواتین کو حق وراثت سے محروم رکھا جاتا تھا۔ اسلام کے آنے کے بعد انصاری صحابی حضرت اوس بن ثابت کا انتقال ہوا تو ان کے ورثا میں دو بیٹیاں، بیوی اور ایک نابالغ بیٹا شامل تھے۔ چونکہ عرب کے مال غنیمت کے مطابق اور حضرت سعد بن ربیع کے انتقال کے بعد جب وراثت تقسیم کی گئی اوران کی زوجہ اور بیٹیوں کو اس حق سے محروم رکھا گیا، تو وہ نبی کریم ﷺ کے پاس روتی ہوئی تشریف لائیں[13]، تو اللہ تعالیٰ نے میراث کا قطعی حکم نازل فرمایا **"يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ"**[14] اس میں تمام وارث جو کہ ذوی الفروض کہلاتے ہیں۔ جن میں چار مرد اور آٹھ عورتیں (بیٹی، پوتی، ماں، بیوی، جدہ (نانی، دادی)، بہنیں) شامل ہیں، کے حصے تفصیل سے بیان فرمائے گئے ہیں۔ اب وراثت کی تقسیم میں ''للذکر مثل حظ الانثیین'' کے الفاظ آئے ہیں، تو یہ سوال پیدا ہوا کہ خواتین کا حصہ مردوں سے کم کیوں رکھا گیا ہے؟ چنانچہ صرف چار حالتیں ایسی ہیں کہ جس میں عورت کا حصہ مرد سے کم رکھا گیا ہے۔ مثلا اگر میت کی بیٹے کے ساتھ بیٹی، باپ کے ساتھ ماں، حقیقی یا علاتی بہن بھائی کے ساتھ اور شوہر کا حصہ بمقابلہ بیوی، ان صورتوں میں عورت کا حصہ مرد سے کم رکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ متعدد صورتیں ایسی ہیں جن میں عورتوں کا حصہ مردوں کے برابر ہوتا ہے، بلکہ بسا اوقات عورتوں کا حصہ مردوں سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ اور بعض دفعہ صرف عورت ہی وارث بنتی ہے مرد وارث ہی نہیں بنتا۔ دراصل اسلام میں وراثت کی تقسیم ہر وارث کی حیثیت، میت کے ساتھ قرابت، اور اس کی ذمہ داریوں کو مد نظر رکھتے ہوئے کی گئی ہے، جس کی وجہ سے ورثا کے حصے میں باہمی امتیاز پایا جاتا ہے۔ اس امتیاز کی حکمت بیان کرتے ہوئے امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں: **"ان خرج المراة**

---

[13] محمد بن عیسیالترمذی، الجامع الترمذی، کتاب الفرائض عن رسول ﷺ، باب ماجاء فی میراث البنات، رقم الحدیث: 2092۔

[14] النساء 4: 11۔

اقل،لان زوجھا ینفق علیھا،وخرج الرجل اکثرلانه ھو المنفق علیٰ زوجته،ومن کان خرجه اکثرفھو الی المال احوج"[15] "عورت کے اخراجات کم ہیں اس کا نان نفقہ اس کے خاوند کے ذمے واجب ہے۔اس کے مقابلے میں مرد کے اخراجات زیادہ ہیں اس لیے کہ اسے اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا پڑتا ہے۔اس وجہ سے اسے مال ودولت کی ضرورت عورت کی نسبت زیادہ ہے۔"

یوں مردوں پر مالی ذمہ داریوں کو مد نظر رکھتے ہوئے بعض جگہ ان کی وراثت عورتوں سے بڑھ جاتی ہے، کیونکہ خواتین پر کسی قسم کی مالی ذمہ داری نہیں رکھی گئی۔اس کی تمام ذمہ داریاں اس کے باپ، بھائی، شوہر اور بیٹے پر رکھی گئیں ہیں۔اس لیے بسااوقات خواتین کا حصہ مردوں سے کم ہو جاتا ہے، لیکن دوسری طرف عورت مہر کی مستحق ہوتی ہے تو حساب برابر ہو جاتا ہے۔علامہ یوسف قرضاوی اس کو ایک مثال سے واضح کرتے ہیں کہ اگر ایک والد کا انتقال ہو،اور اس کا بیٹا اور بیٹی ہو اور وہ ترکہ میں ڈیڑھ لاکھ چھوڑ کر جاتا ہے۔ تو اس صورت میں ترکہ کی تقسیم کرتے ہوئے بیٹا لاکھ کا حق دار ہوگا اور بیٹی کو پچاس ہزار ملیں گے۔پھر بیٹا شادی کرے گا تو خاتون کو مہر دے گا۔ہم اس کو پچیس ہزار کے بقدر مان لیتے ہیں۔ گویا کہ اب اس کے پاس پچھتّر ہزار بچ گئے۔ پھر جب اس کی بہن کی شادی ہوگی تو اس کو شوہر سے مہر اور دیگر ہدیہ جات ملیں گے۔اس کو بھی ہم پچیس ہزار کی مقدار کے برابر مان لیتے ہیں، تو اس کے پاس اب پچھتّر ہزار ہو جائیں گے۔یوں دونوں برابر ہو گئے۔[16]

دیت

قتل کی سزائے اصلی قصاص ہی ہے۔دیت اور معافی دراصل باری تعالیٰ کی طرف سے دی گئی تخفیف اور نرمی ہیں۔ چونکہ اسلام کا بنیادی مقصد نظم اجتماعی قائم کرنا ہے، لہٰذا اس بات کی سہولت رکھ دی گئی ہے کہ اگر ورثا اور افراد باہم صلح کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں، تاکہ نسل در نسل دشمنی کا افراد کے مابین ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاتمہ کیا جاسکے۔دیت در حقیقت وہ مال ہے جو آزاد شخص پر کسی جنایت کی وجہ سے واجب ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے: **وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ۔**[17] "اور کسی مومن کے یہ لائق نہیں کہ کسی مومن کو قتل کرے مگر غلطی سے۔اور جو کسی مومن کو غلطی سے قتل کردے،وہ ایک مومن غلام کو آزاد کرے،اور مقتول کے ورثا کو دیت ادا کرے۔"

شریعت کی رو سے دیت صرف تین قسم کے مالوں (سواونٹ، ایک ہزار دینار، دس ہزار دراہم) سے ادا کی جاتی ہے۔ قاتل کو اختیار دیا گیا ہے کہ ان تینوں میں سے جو چاہے ادا کرے۔جہاں تک عورت کی دیت کی بات ہے تو

---

[15] ابو عبداللہ محمد بن عمر فخر الدین الرازی، مفاتیح الغیب (بیروت: دار إحیاء التراث العربی، 1420ھ)، 9: 511۔

[16] الدکتور یوسف القرضاوی، ملامح المجتمع المسلم الذی ننشدہ (بیروت: موسسۃ الرسالۃ، ب ت)، 478۔

[17] النساء 4: 92۔

عورت کی دیت کے حوالے سے صحابہ کے دور سے یہ مسئلہ چلا آرہا ہے کہ عورت کی دیت مرد سے نصف ہے۔ قائلین کی دلیل حضرت معاذ بن جبل کی حدیث ہے کہ " **دية المراة على النصف من دية الرجل۔**[18] " عورت کی دیت مرد سے نصف ہے۔" اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کی دیت مرد سے نصف ہے۔اس کے برعکس بعض فقہا کے ہاں مرد اور عورت کی دیت برابر ہے۔ چنانچہ عصر حاضر کے فقہا میں دیت کی مساوات کے سب سے پہلے قائل شیخ محمد عبدہ تھے۔ شیخ محمد شلتوت[19]، ابوزھرہ اور امام غزالی نے ان کی پیروی کی ہے۔[20] الغرض دیت کے حوالے سے فقہا میں اختلاف رہا ہے۔ بعض فقہا مرد و عورت کی دیت میں برابری کے قائل ہیں، اور بعض کے ہاں عورت کی دیت مرد سے نصف ہے اور اس کی عقلی دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ دیت کے لاگو کرنے میں حکمت دراصل مقتول کے چلے جانے کی وجہ سے جو لواحقین کو مالی نقصان پہنچا ہے،اس کے ازالے کی کوشش کی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ خواتین پر بنسبت مردوں کے کسی قسم کی معاشی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی اس لیے اس کی دیت مرد سے نصف رکھی گئی ہے۔

حکمرانی

جہاں تک خواتین کی سربراہی کا تعلق ہے ، توارشاد باری تعالی:" **الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ**"[21] اورحدیث مبارکہ'' **لن یفلح قوم ولوا امرھم امراۃ**"[22] کو مد نظر رکھتے ہوئے اکثر علما کا موقف ہے کہ عورت کو سربراہ مملکت بنانا جائز نہیں۔ اس حدیث کا پس منظر بھی اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ یہ حدیث آپ ﷺ نے اس وقت ارشاد فرمائی جب آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ فارس والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو سربراہ بنالیا ہے۔اسی طرح ایک اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معاملات عورتوں کے سپرد نہ کیے جائیں: **قال رسول الله ﷺ اذا كانت امراؤكم سمحاؤكم وامور شوریٰ بينكم فظهر الارض خير لكم من بطنها واذا كانت امراؤكم شراركم واغنياؤكم بخلاءكم واموركم الى نسائكم فبطن الارض خير لكم من ظهرها۔**[23] "جب تمھارے حکمران تم میں سے بہترین لوگ ہوں اور تمھارے دولت مند لوگ سخی ہوں اور تمھارے معاملات باہمی مشورے سے طے کیے جاتے ہوں ،تواس وقت تمھارے لیے زمین کی پیٹھ

---

[18] البیھقی، السنن الکبری، کتاب الدیات، باب ماجاء فی دیۃ المراۃ، رقم الحدیث: 16305۔

[19] محمود شلتوت، الاسلام عقیدۃ وشریعۃ (القاھرہ: دارالشروق، 1421ھ/2001ء)، ص236۔

[20] وصفی عاشور ابوزید، مشارکۃ المراۃ فی العمل العام، ترجمہ۔ الیاس نعمان ندوی (نئی دہلی: ایفا پبلیکیشنز، س۔ن)، 127۔

[21] النساء 4: 34۔

[22] البخاری، الصحیح البخاری، کتاب المغازی، کتاب النبی ﷺ الی کسریٰ وقیصر، رقم الحدیث: 4425۔

[23] الترمذی، الجامع، کتاب الفتن عن رسول اللہ ﷺ ، رقم الحدیث 2262۔

اس کے پیٹ سے بہتر ہو گی اور جب تمھارے حکمران تم میں سے بدترین لوگ ہوں اور تمھارے دولت مند لوگ کنجوس ہوں اور تمھارے معاملات عورتوں کے سپرد کر دیئے جائیں، تو پھر تمھارے لیے زمین کا پیٹ اس کی پیٹھ سے بہتر ہوگا۔

ان نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ خواتین کو سربراہ مملکت کے عہدے پر فائز کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ عورت کو سربراہ مملکت بنانا اس کے فطری حقوق وفرائض میں بھی خلل ڈالنا ہے۔ دوسری طرف سربراہ مملکت بننا کوئی آسان کام نہیں جب خواتین کی ذھنی اور جسمانی صلاحیت میں اس بات کی اہلیت ہی نہیں تو اس کو اس عہدے پر فائز کرنا ظلم کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کے مطابق اسلام کی نگاہ میں سربراہ مملکت کا عہدہ ایسا عہدہ نہیں ہے، جس کا کام صرف کرسی کو زینت بخشنا اور دوسروں کے فیصلے پر دستخط کرنا ہو، بلکہ وہ معاشرہ کا قائد، اہم مفکر، نمائندہ، اور اس کی زبان کا ناطق ہوتا ہے۔ اس کو نہایت اہم اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ وہی دشمنوں کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہے۔ جنگ کے میدان میں فوجی قیادت کرنا، صلح کے معاہدے کرنا اس کے فرائض میں شامل ہے۔ اسلامی سربراہ مملکت جامع مسجد میں جمعہ کا خطیب بھی ہوتا ہے، نمازوں کی امامت بھی کرتا ہے اور لوگوں کے درمیان جھگڑوں کا فیصلہ بھی کرتا ہے۔ ان تمام ذمہ داریوں کا تقاضا ہے کہ حکومت کا سربراہ قوی اعصاب کا مالک ہو، اس کی عقل اس کے جذبات کے پر غالب ہو۔ وہ میدان جنگ کے اندر خونریزی برداشت کرنے کی ہمت وسکت رکھتا ہو۔ یہ تمام وہ صفات ہیں جو ہم عورت کے اندر نہ پائے جانے پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اگر عورت کے اندر یہ صفات ہوتیں تو ہم اس کے نہایت بہترین اوصاف ،بردباری وشفقت، مہربانی سے محروم ہو جاتے۔[24]

لیکن سربراہ مملکت کے علاوہ دیگر سیاسی سرگرمیوں اور معاملات میں عورت کی شمولیت جائز ہے۔ مثلاً حسبہ، مشورہ، اور دیگر انتظامی عہدوں پر خواتین کو مناصب دینے کی اسلام اجازت دیتا ہے، جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ ﷺ نے حضرت ام سلمہ سے نہ صرف مشورہ کیا بلکہ اس پر عمل بھی کیا [25] اس حدیث کے ضمن میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: **"وفی الحديث دلالة علىٰ فضل المشورة،وان الفعل اذاانضم الى القول كان ابلغ من القول المجرد، وفی الحديث دلالة ولى جواز المشورةالمراة الفاضلة،وفضل ام سلمة ،ووفور عقلها"**[26] "اس حدیث سے مشورہ کی خوبی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ قول کے ساتھ فعل کی شمولیت محض قول سے زیادہ موثر ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ باکمال عورت سے مشورہ کرنا جائز ہے۔ اور حدیث سے حضرت ام سلمہ کی فضیلت اور کمالِ عقل کا بھی پتا چلتا ہے۔"

---

[24] السباعی، المراۃ بین الفقہ والقانون، 34۔

[25] البخاری، الصحیح البخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجھاد والمصالحۃ مع اھل الحرب وکتابۃ الشروط، رقم الحدیث: 2731۔

[26] احمد بن علی ابن حجر العسقلانی، فتح الباری (بیروت: دار المعرفہ، 1379ء)، 5: 347۔

اسی طرح مختلف انتظامی عہدوں پر بھی خواتین فرائض منصبی سر انجام دیتی رہیں ہیں ، جیسا کہ ابن حزم لکھتے ہیں کہ حضرت عمر نے حضرت شفاء بنت عدویہ کو بازار کا نگران مقرر کیا تھا۔وہ قضاء الحسبہ اور قضاء السوق کی نگران تھیں۔ [27] اسی طرح حضرت سمراء بنت نہیک کے بارے میں ہے کہ سمراء بنت نہیک نے نبی کریم ﷺ کا زمانہ مبارک پایا تھا۔وہ جب بازار سے گزرتیں توامر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتی تھیں۔ان کے پاس ایک کوڑا تھا جس سے ان لوگوں کو مارتی تھیں جو کسی برے کام میں مشغول ہوتے تھے۔'' [28] یوں صحابہ کرام کے عمل سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سربراہ مملکت کے علاوہ دیگر سماجی وسیاسی سرگرمیوں میں خواتین کی شمولیت جائز ہے ۔مردوو خواتین کے مابین ذکر کردہ معاملات میں فرق کی حکمتیں بیان کرتے ہوئے ابن قیم لکھتے ہیں: " باری تعالی نے جسمانی عبادات اور حدود میں مرد اور عورت کو برابر قرار دیا ہے، جبکہ دیت، گواہی، میراث اور عقیقہ میں اسے مرد سے نصف حصے پر رکھا ہے۔ اس میں بھی شریعت کی حکمت ولطافت پوشیدہ ہے۔ کیونکہ جسمانی عبادات اور عقوبات کی مصالح میں مرد اور عورتیں مشترک ہیں، دونوں کی ضروریات ایک جیسی ہیں لہٰذا ان میں تفریق کرنا مناسب نہیں تھا۔ ہاں! بعض ایسے امور ہیں جن میں تفریق زیادہ مناسب لگتی ہے، جیسے نماز جمعہ اور باجماعت نماز۔اللہ تعالی نے مردوں پر تو جمعہ اور نماز باجماعت فرض قرار دی ہے، لیکن عورتوں کو مردوں کے ساتھ عدم اختلاط اورزیادہ گھر سے نہ نکلنے کی وجہ سے اس سے مستثنی کر دیا ہے۔اس طرح اللہ کے راستے میں جہاد کے حوالے سے عورت کی نرمی و نزاکت کا خیال رکھتے ہوئے اسے اس فرض کی ادائیگی سے مستثنی کر دیا ہے، لیکن طہارت ،روزہ، حج ، اورزکوۃ کے حوالے سے ایک جیسی مصلحت کو مد نظر رکھتے ہوئے مردوں اور عورتوں کو اس میں برابر رکھا گیا ہے۔ گواہی کے سلسلے میں عورت کی گواہی کو مرد کی گواہی کا نصف قرار دیا گیا ہے، اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالی قران مجید میں فرماتے ہیں: کہ عورت مرد کی نسبت کم عقل اور کمزور حافظے والی ہوتی ہے،اللہ تعالیٰ نے مردوں کو فہم وفراست، عقل ودانش اور حافظہ میں عورتوں پر فضیلت بخشی ہے اگر عورت کی گواہی کو قطعی طور پر ناقابل قبول قرار دے دیا جاتا ،تو اس سے بے شمار حقوق ضائع ہو جاتے اور عورت معاشرے کا عضو معطل بن کر رہ جاتی۔ لہٰذا اقرین قیاس اور عقل کے قریب امر یہی تھا کہ عورت کی گواہی قبول کرنے میں اس کے ساتھ اسی کی جنس سے ایک اور عورت کو شریک کر لیا جائے تاکہ ایک کے بھولنے کی صورت میں دوسری عورت اس کو یاد دلاسکے اور دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے قائم مقام بن جائے ،اور ان دونوں کی گواہی سے علم یا ظن غالب حاصل ہوسکے ،جو ایک مرد کی گواہی سے حاصل ہوتا ہے۔اسی طرح دیت کا معاملہ ہے کہ مرد کی نسبت عورت قلیل النفع ہوتی ہے اور دینی مناصب، ریاستی ذمہ داریاں ،دفاع جان ومال، زمین کی آباد کاری ، جہاد، ضروری

---

[27] ابو محمد علی بن احمد ابن حزم الاندلسی، المحلی بالاثار (بیروت: دار الفکر، س۔ن)، 8: 527۔

[28] ابو عمر یوسف بن عبداللہ ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (بیروت: دار الجیل، 1412ھ۔1992ء)، 4: 335۔

مصالح اور دین ودنیا کی حفاظت جیسے امور سرانجام نہیں دے سکتی۔ لہٰذا ان امور میں عورت کی قیمت (دیت) مرد کے برابر نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ شارع کی حکمت کا تقاضا تھا کہ ان امور میں عورت کی دیت مرد کے مقابلے میں آدھی ہوتی۔ اسی طرح میراث میں بھی عورت کا حصہ آدھا ہونے کی حکمت بھی واضح ہے کہ مرد عورت کی نسبت مال کا زیادہ محتاج ہوتا ہے کیونکہ مرد عورتوں پر نگران ہیں اور مرد عورت کی نسبت میت کی زندگی میں اس کے لیے زیادہ نفع مند ہوتا ہے، لہٰذا وہ زیادہ وراثت لینے کا بھی حق دار ہے عقیقے کے معاملے میں مرد کو دی گئی فضیلت اس کی مردانگی کے شرف اور عورت پر اسے دی گئی عظمت کے تابع ہے، ویسے بھی والدین بیٹے کی نعمت پر زیادہ خوش ہوتے ہیں اور زیادہ شکر ادا کرتے ہیں۔ جب نعمت زیادہ ہو تو اس کا شکرانہ بھی زیادہ ہوتا ہے۔[29]

نتیجہ بحث

اسلام نے مرد وخواتین کے درمیان احکام کے حوالے سے چند اصول وضوابط کو مد نظر رکھا ہے۔ دونوں صنفوں کی نفسیات، مزاج، صلاحیتوں کا خیال رکھتے ہوئے ان سے وہی معاملہ روا رکھا ہے جو عین عدل کا تقاضا ہے۔ بعض مقامات پر خواتین کو مردوں پر فوقیت دی گئی ہے اور بعض جگہ مردوں کا مرتبہ بلند رکھا گیا ہے۔ اس میں کئی حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں۔ جو لوگ اسلامی احکام کی حکمتوں کو سمجھنے کی سعی کرتے ہیں ان پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مردوں اور عورتوں کے احکام کے ضمن میں عورتوں کے ساتھ کوئی ظلم وزیادتی روا نہیں رکھی گئی۔ ان احکام پر عمل سے عورت کی عزت وتوقیر میں نہ صرف یہ کہ کوئی کمی نہیں ہوتی بلکہ بہت زیادہ اضافہ ہوتا ہے۔ وراثت، دیت، شہادت اور سربراہی میں مرد اور عورت کے درمیان فرق نظر آتا ہے تو وہ درحقیقت ان کے دائرہ ہائے کار اور ذمہ داریوں کو مد نظر رکھتے ہوئے روا رکھا گیا ہے۔ گہری نظر سے دیکھا جائے تو ان احکام میں موجود فرق وامتیاز میں مردوں اور عورتوں دونوں کی بھلائی ہی نظر آئے گی۔

---

[29] محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ، اعلام الموقعین (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1991ء)، 2: 115۔